باب: 31

امام مالکؒ

(712 - 796 AD)

مالک آپ کا نام ہے۔ کنیت عبداللہ ، اور لقب امام دارالہجرہ ہے۔ والد کا نام انس بن مالک ہے۔ آپ ایک ایسے عرب خاندان سے تعلق رکھتے تھے جو جاہلیت اور اسلام دونوں دَور میں معزز سمجھا جاتا تھا۔ یوں تو آپ کے بزرگوں کا تعلق یمن سے تھا مگر اسلام لانے کے بعد انھوں نے مدینہ میں مستقل سکونت اختیار کرلی۔ امام مالکؒ 93AH/712AD میں مدینہ میں پیدا ہوئے۔ پیدائش سے وفات تک آپ کا مستقل ٹھکانہ مدینہ ہی رہا۔

امام مالکؒ کا رنگ گورا اور سرخ تھا۔ آپ کی پیشانی کشادہ، آنکھیں بڑی، ناک اونچی، داڑھی بڑی اور گھنی تھی۔ مونچھوں کو بہت چھوٹی کرانا ناپسند کرتے تھے۔ آپ بھاری بدن اور لانبے قد والے تھے۔ مزاج میں بہت صفائی تھی۔ ہمیشہ عمدہ لباس پہنتے تھے اور خوشبو کا استعمال کیا کرتے تھے۔ آپ جس مکان میں رہتے تھے وہ حضرت عبداللہؓ بن مسعود کا مسکن تھا۔ اور وہ مقام جہاں عام طور پر مجلس ہوتی یا آپ کی عمومی بیٹھک تھی، وہ در اصل حضرت عمر فاروقؓ کا دولت خانہ تھا۔

امام صاحبؒ کا شمار بڑے عابدوں میں ہوتا تھا۔ آپ کو آنحضرتؐ سے بے پناہ محبت تھی۔ حتیٰ کہ شہر مدینہ بھی آپ کو اس قدر محبوب تھا کہ آپ نے صرف حج کے سفر کے علاوہ کبھی اس مقام کو نہیں چھوڑا۔ بڑے مہمان نواز تھے۔ آپ نہایت خوددار اور حلم و عفو کرنے والے اور صاف گو شخصیت کے مالک تھے۔

امام مالکؒ نے جب ہوش سنبھالا تو نہ صرف گھر کا ماحول تعلیم یافتہ تھا بلکہ اُس وقت پورا شہر مدینہ ہی علما اور فضلا کا مخزن بنا ہوا تھا۔ آپ کے دادا اور والد، محدثین میں سے تھے۔ امام کے ایک چچا ابو سہیل نافع، روایت و حدیث کے شیخ میں شمار ہوتے تھے۔ آپ نے ان سب سے تعلیم پائی۔ صحابہ کرامؓ سے تعلیم حاصل کرنے والے حضرات کو اصطلاحاً تابعی کہا جاتا ہے۔ ان تابعین میں ابو بکر بن حارث خارجہ بن زید، قاسم بن محمد، سعید بن مسیب، عبیداللہ بن عتبہ، سالم بن عبداللہ اور سلیمان بن بسیار ایسے جید حضرات تھے جو اس زمانے میں "فقہائے سبعہ" کہلاتے تھے اور تمام فتاویٰ، مسائل اور مقدمات کے فیصلے کیا کرتے تھے۔ امام مالکؒ نے ان میں سے اکثر سے استفادہ کیا۔ امام نے قرآن مجید کی قرأت اور اس کی مدینہ کے امام القراء، ابو درہم نافع بن عبدالرحمٰن

(جن کی قرأت پر آج دنیائے اسلام کی بنیاد ہے) سے حاصل کی۔ آپ نے فقہ کی تعلیم بھی کئی حضرات سے حاصل کی۔ لیکن اس کے لیے آپ کے اصل استاد، ابو عثمان ربیعہ ہیں۔ حضرت ربیعہ بھی تابعین میں سے تھے۔ چونکہ ان سب کا علم، امام مالک کے ایک سینہ میں جمع ہو گیا تھا اس لیے آپ کا لقب "امام دارالہجرہ" ہو گیا۔

امام مالک کا حافظہ بہت عمدہ تھا۔ آپ خود فرمایا کرتے تھے کہ میرے دماغ میں ایک بات آئی تو پھر کبھی نہ نکلی۔ علم کا شوق اس قدر تھا کہ تنگدستی کی نوبت آگئی۔ چھت کی کڑیاں تک فروخت کر دیں لیکن علم کی طلب کو کبھی کم نہ ہونے دیا۔ آپ کا کہنا تھا کہ "۔۔ علم میں کمال اس وقت تک حاصل نہیں ہوتا جب تک کہ وہ فقر میں مبتلا نہ ہو جائے اور اس پر بھی وہ بہر حال طلبِ علم کو ترجیح نہ دے۔۔"۔

فنِ حدیث میں امام مالکؒ کے خصوصی استاد حضرت شیخ نافعؒ تھے۔ حضرت نافعؒ کا تقریباً 30 برس تک حضرت عبداللہ ابنِ عمرؓ کے ساتھ ہمیشہ کا اُٹھنا بیٹھنا رہا تھا۔ حضرت عبداللہ ابنِ عمرؓ، صحابہ میں آنحضرتؐ کے اعمال اور سنن کے سب سے زیادہ عالم تھے۔ امام مالکؒ نے حدیث کے لیے کم از کم 10 برس تک حضرت نافعؒ سے استفادہ کیا۔ یہاں تک کہ ان کے انتقال کے بعد ان کے جانشین ہوئے۔ امام ابو حنیفہؒ جب مدینہ پہنچے تو امام مالک کی مجلسِ درس میں آکر شریک ہوئے۔ امام شافعیؒ تو آپ کے باقاعدہ شاگرد رہ چکے ہیں۔

آپ کا حلقۂ درس سینکڑوں شاگردوں پر مشتمل بتایا جاتا ہے۔ ان میں کئی طبقات سے اور کئی مقامات سے تعلق رکھنے والے تھے۔ مختلف حکمران، امراء، شیوخ، محدثین، مجتہدین، صوفیا اور ادباء و شعرا ان میں شامل ہیں۔ جغرافیائی حیثیت سے آپ کے شاگردوں کا تعلق عرب کے بیشتر علاقوں کے علاوہ مصر، شمالی افریقہ اور اندلس سے بھی تھا۔

خلیفہ ہارون رشید جب مدینہ پہنچے تو انہوں نے امام مالک سے آپ کی حدیث سے متعلق مشہور کتاب "موطا" کو سننا چاہا۔ امام صاحب نے فرمایا کہ کل کا دن اس کے لیے ہے۔ دوسرے دن ہارون رشید نے امام کا اپنے دربار میں انتظار کیا پر وہ نہ پہنچے۔ ہارون رشید نے اس کا سبب پوچھا تو آپ نے فرمایا "اَلْعِلْمُ یَزَارُ وَ لاَ یَزُوْرُ" یعنی، علم کے پاس لوگ آتے ہیں، لوگوں کے پاس علم نہیں۔۔۔!

یاد رہے کہ محدث کی حیثیت ایک سرمایہ کار جیسی ہوتی ہے جب کہ فقیہ اس سرمایہ کو لے کر عالم کاروبار میں آتا ہے۔ فقیہ کے ذمہ، احکام کے علل اور مصالح کو تلاش کرنا اور کھرے کھوٹے کی تمیز کرنا ہے۔

وہ اوامر (یعنی فرائض) اور سنن کو ترتیب دیتا ہے۔ اس کو رعایا اور حکومت کے لیے بھی قوانین مرتب کرنا ہوتا ہے۔ اس میں عام کو خاص کرنے اور خاص کو عام کرنے کی صلاحیت ہوتی ہے۔ فقیہ کے فرائض میں مطلق کی تقلید اور مقید کا اطلاق کرنا بھی ہوتا ہے۔ وہ ناسخ اور منسوخ کی تفریق کو واضح کر سکتا ہے۔ یوں ضروریاتِ انسانی کے مطابق تمام احکامِ شرعیہ کا اعلان اس کے ذمہ ہوتا ہے۔ ان سب سے ایک فقیہ کی اہمیت کا اندازہ کیا جا سکتا ہے۔ امام مالکؒ نے فقہ میں بھی جلد ہی وہ مقام حاصل کر لیا کہ آپ کے استاد حضرت ربیعہؒ کی موجودگی کے باوجود لوگ آپ سے رجوع کرنے لگے تھے۔ حضرت ربیعہؒ کی وفات کے بعد تو آپ باقاعدہ فقہ کے امام تسلیم کر لیے گئے۔ اگرچہ کہ امام مالک کے علم و کمال کا اس وقت کے تمام شیوخِ مدینہ اعتراف کرتے تھے لیکن اس کے باوجود خود امام صاحبؒ نے یہ احتیاط برتی کی جب تک 70 علماء نے امام صاحب کی قابلیت اور استحقاق کا فتویٰ نہ دیا آپ نے اُس وقت تک اس مرتبہ پر قدم رکھنا مناسب نہ سمجھا۔

حضرت عمر بن عبدالعزیزؒ جب مدینہ کے والی مقرر ہوئے تو انہوں نے پہلے سے موجود تابعین پر مشتمل فقہاء کی جو مجلس ہوا کرتی تھی اس کو نہ صرف باقاعدہ سرکاری بنا دیا تھا بلکہ اس کی تشکیلِ نو کر کے اس کو اور مستحکم کر دیا تھا۔ انہی مجلس کے ارکانِ شوریٰ کی بحث و مذاکرات کے بعد تمام احکام و مقدمات کے فیصلے ہوا کرتے تھے۔ اور جو بھی فیصلہ ہوتا وہ مدینہ کی عدالت کا حکمِ فقہی تسلیم ہوتا تھا۔ اس میں زیادہ مدد، حضرت عمرؓ کے قضایا اور احکام سے لی جاتی تھی اس لیے کہ ان کے عہدِ حکومت میں وسعتِ فتوحات نے بہت سی نئی ضرورتیں پیدا کر دی تھیں۔ چنانچہ اسی کے پیشِ نظر امام مالکؒ نے اپنی فقہ و فتاویٰ کی بنیاد بھی اسی فقہِ مدینہ پر رکھی۔

یوں تو امام مالکؒ کے پاس ہر وقت ہی مدینہ و حجاز سے سائلین کا اژدھام رہتا تھا۔ لیکن حج کے موقع پر جب کہ ہر طرف سے لوگوں کا اجتماع ہوتا تھا، حکومت کی طرف سے یہ اعلان کر دیا جاتا تھا کہ امام مالک اور ابن ابی ذئب کے سوا کوئی اور فتویٰ نہ دے۔

آپ کے دَور تک تصنیف و تالیف کا سلسلہ چل پڑا تھا۔ مؤطا، رسالہ مالک الی الرشید، المدونۃ الکبریٰ کتاب الاقضیہ اور تفسیر القرآن وغیرہ آپ کی تصنیفات میں سے کہی جاتی ہیں۔ کتاب مؤطا کی اہمیت تو یہ ہے کہ امام صاحب کے تقریباً تمام ہی شاگردوں نے اس کتاب کی روایت کی ہے۔ جب کہ آپ سے منسوب دوسری کتابوں کی روایت صرف بعض نے ہی کی ہے۔

امام مالکؒ کا زمانہ وہ ہے جب معلومات مختلف اسلامی ممالک میں منتشر تھیں۔ اس عہد میں حدیث کی تدوین جتنی بھی ہوئی وہ سب اپنے اپنے ملک کی حدود میں ہی بند تھی۔ ابن جریج نے مکہ میں، اوزاعی نے شام میں، سفیان ثوری نے کوفہ میں، ابو سلمہ حماد نے بصرہ میں، ہشیم نے واسط میں، معمر نے یمن میں، ابن مبارک نے خراسان میں اور جریر بن حمید نے رے میں حدیثیں جمع کیں۔ جب کہ مدینہ جو علوم نبویؐ کا سب سے بڑا گنجینہ تھا اس کو سمیٹنے کی سعادت امام مالکؒ کے حصے میں آئی۔ آپ کی کتاب مؤطا کو نہ صرف علومِ مدینہ کا مجموعہ قرار دیا جاتا ہے بلکہ اسے قرآن کے بعد پہلی "اسلامی کتاب" بھی کہا جاتا ہے۔ امام صاحب جب مؤطا کی تالیف میں مشغول تھے اور یہ خبر اوروں کو بھی پہنچی تو مدینہ کے دیگر علما بھی اپنے اپنے احادیث کا مجموعہ تیار کرنے لگے۔ لوگوں نے امام مالک سے جاکر اس کی اطلاع کی۔ آپ نے فرمایا"۔۔ صرف حُسنِ نیت کو بقا ہے۔۔"۔ اور آپ کی یہ پیشگوئی بالکل درست ثابت ہوئی۔ مؤطا کی ایک اہم خصوصیت یہ ہے کہ اس کتاب کی خاطر مختلف سربراہانِ مملکت (مہدی، ہادی، ہارون رشید اور مامون رشید) نے عراق سے حجاز تک کا سفر کیا۔ اس کے علاوہ سلطان صلاح الدین ایوبی، فاتح بیت المقدس نے بھی قاہرہ سے اسکندریہ تک کا سفر اسی کتاب کے لیے کیا۔

لفظ 'مؤطا' کے معنی ہیں وہ راستہ جس پر لوگ بہ کثرت چلتے ہیں۔ اور سنت کے معنی بھی راستے ہی کے ہیں۔ یعنی محمد صلی اللہ علیہ وسلم کا راستہ۔۔۔! حدیث و فقہ کی کتاب مؤطا میں اس کی بعض فقہ، احادیث سے حاصل شدہ ہے اور بعض فقہ، اہلِ مدینہ کے اجماع پر مشتمل ہے۔ اس کا بعض حصہ اس بیان پر مشتمل ہے جس پر تابعین کا عمل تھا۔ یعنی وہ جن سے امام صاحب نے ملاقات کی اور علم حاصل کیا۔ اور بعض حصے میں وہ آراء ہیں جنہیں ان لوگوں کی آراء میں سے امام صاحب نے منتخب کیا۔ اس کے بعض حصے قیاس پر بھی مشتمل ہیں۔ یوں یہ ایک مکمل اور جامع مجموعہ ہے۔

امام مالکؒ کی عمر جب 84 برس کو پہنچی تو آپ کا جسم ضعیف و ناتواں ہو چکا تھا۔ مسجد نبویؐ میں نماز کے لیے بھی آپ کا پہنچنا دشوار ہو چکا تھا۔ آخر آپ ماہ ربیع الاول 179AH/795AD کو اس دار فانی سے کوچ کر گئے۔